ابتلاء کا فلسفہ

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / جون ۱۹۸۷ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

ابتلا کا یہ عظیم الشان دور جو اس وقت جماعت احمدیہ کو نصیب ہے، اس دور میں حق کے دشمنوں سے مقابلہ کے لئے خدا تعالیٰ نے جو ہمیں ہتھیار عطا فرمائے ہیں ان میں سب سے اوّل دعا ہے اور اس کے بعد جو متعدد ہتھیار خدا تعالیٰ نے ہمیں دیئے اور قرآن کریم نے اور سنّتِ محمد مصطفی ﷺ نے ان کو استعمال کے اسلوب بھی سکھائے۔ ان میں صبر، تقویٰ اور توکل کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ صبر اور توکل اور تقویٰ کا مضمون آپس میں ملتا جلتا ہے اور ایک دوسرے کو تقویت دیتا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ توکل کے بغیر کوئی بھی عظیم لڑائی جیتی نہیں جاسکتی۔ دنیاوی قومیں جنگوں میں مصروف ہوں یا روحانی قومیں روحانی مقابلوں میں توکل کے بغیر دنیا کی کوئی عظیم جنگ بھی جیتی نہیں جا سکتی۔ توکل دنیا کی اصطلاح میں اپنے مقصد کے یقین کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور مذہبی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور صرف کامل ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے سابقہ سلوک پر نظر کر کے توکل کو تازہ غذا ملتی رہتی ہے۔ دنیا کے توکل کی کوئی عقلی بنیاد نہیں محض وطینت کے ساتھ ایک گہرا رابطہ، گہرا واسطہ، گہرا بعض صورتوں میں عشق یہی ان کے اندر توکل پیدا کرنے کا ذریعہ ہے لیکن کوئی ایسا قطعی تاریخی مشاہدہ ان کو میسر نہیں آتا کہ ہمیشہ ضرور ہر لڑائی میں وہی فتح یاب ہوں گے۔ لیکن مذہبی دنیا میں جو توکل ہے وہ خدا تعالیٰ کی ایک بہت ہی قدیم سنّت پر مبنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے جو سنّت چلی آئی ہے کہ میں اپنے تعلق والوں کو اپنے پیاروں کو

حق پرستوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا اور کبھی مغلوب نہیں رہنے دیتا یہ وہ مرکزی سرچشمہ ہے جہاں سے توکل اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔

توکل ہو تو صبر کو بھی تقویت ملتی ہے کیونکہ اگر مقصد پر یقین نہ رہے اور امید باقی نہ رہے فتح کی تو صبر زیادہ دن انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ مایوسی اور صبر دو متضاد چیزیں ہیں۔ اس لئے توکل صبر کے ایک کنارے پر کھڑا ہے اور ایک بازو سے صبر کو تقویت دیتا ہے۔ اس کے دوسرے کنارے پر تقویٰ ہے اور تقویٰ سے صبر کو تقویت ملتی ہے۔

پس ان دونوں بازوؤں کے مضبوط ہونے کے نتیجے میں صبر مضبوط ہو جاتا ہے اور صبر کے متعلق قرآن کریم بار ہا یہ فرماتا ہے کہ صبر کرنے والے ضائع نہیں جاتے خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بالآخر صبر کرنے والے لازماً فتح یاب ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر جو روشنی ڈالی ہے وہ مضمون تو بہت ہی وسیع ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف وقتوں میں مختلف زاویہ ہائے نظر سے جماعت کے سامنے رکھا لیکن اس میں سے چند اقتباسات میں نے آج کے خطبے میں آپ کے سامنے رکھنے کے لئے چنے ہیں۔

جہاں تک ابتلا کا فلسفہ ہے سب سے پہلے اس پر نظر ڈالنی ضروری ہے کہ آخر ابتلا آتا کیوں ہے؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا کو کوئی قوم اتنی ہی پیاری ہے کہ لازماً اس کی فتح کی ضمانت دی جاتی ہے اور یقین دلایا جاتا ہے کہ کسی قیمت پر یہ قوم اپنے دشمن سے مغلوب نہیں ہوگی خواہ وہ دشمن کتنا ہی بڑا اور طاقتور کیوں نہ ہو۔ تو اگر یہ بالآخر کرنا ہی تھا تو شروع میں ان کو مصیبت میں ڈالنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس فلسفے کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے پیارے انداز میں واضح فرمایا ہے کہ یہ عارف باللہ کا ہی حق ہے کہ وہ مضمون پر اس طرح روشنی ڈال سکیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''ابتلا جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیاء پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتا ہے (یعنی خدا کو بہت پیارے ہوتے ہیں لیکن ہر ابتلا کے دور میں سے گزرتے ہوئے وہ پیارے

بظاہر ذلیل کر دئے جاتے ہیں) اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سے کر کے ان کو دکھاتا ہے۔ یہ ابتلا اس لئے نازل نہیں ہوتا کہ ان کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحۂ عالم سے ان کا نام و نشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزّ وجل اپنے پیار کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگے اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں کو ذلت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے۔ بلکہ حقیقت میں وہ ابتلا کہ جو شیرِ ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لئے نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھا دے''۔

(سبز اشتہار روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ: ۴۵۷۔۴۵۸)

پہلا نتیجہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکالا ہے وہ یہ ہے کہ تا ان کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے۔ اس کا مفہوم سمجھنا چاہئے کہ اس فقرے کے اندر کیا حقیقت پوشیدہ ہے جو سطحی نظر سے مطالعہ سے نظر نہیں آتی۔ ابتلا کے ذریعے مقبولیت کے بلند مینار پر کیسے پہنچایا جاتا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنا پیارا قرار دے دے اور کسی آزمائش میں سے ان کو نہ گزارے تو یہ ترجیح بلا وجہ اور بلاحق ہوگی۔ خدا کے پیارا ہونے کے لئے ان کے پاس کچھ علامتیں ہونی چاہئیں، کچھ ان کی وفا کے ثبوت ہونے چاہئیں، کچھ دنیا پر ثابت کرنا چاہئے کہ کیوں میں نے اس قوم کو اپنے لئے اختیار فرمایا اور کیوں اس کو تم پر فضیلت دی۔ اگر ابتلاؤں کے دور سے مذہبی قومیں نہ گزرتیں تو کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ خدا نے ایک کی بجائے دوسرے کو چن لیا چونکہ وہ ساتھ تھا وہ قوم غالب آ گئی، ان کے اندر ترجیح کے کوئی خواص نہیں تھے، کوئی استحقاق نہیں تھا جس کی بناء پر ان کو دوسری قوموں پر ترجیح دی گئی۔

پس جب وہ خدا کے نام پر طرح طرح کے مصائب کی چکی میں پیسے جاتے ہیں، ہر طرح سے دکھ اُٹھاتے ہیں اور وفا پر اور بھی مضبوطی سے قائم ہو جاتے ہیں آخر وقت تک وہ خدا کا دامن نہیں چھوڑتے۔ تو پھر ایسوں کو غالب کرنا اپنی ذات کے اندر ایک ایسی معقول وجہ رکھتا ہے جس کو ایک معمولی نظر رکھنے والا انسان بھی پہچان سکتا ہے۔ یہ ایک استحقاق ہے جو ایک معمولی عقل والے کو بھی

سمجھ آ سکتا ہے۔ خدا کے نام پر شدید مخالفتوں کے باوجود جو قوم وفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھے اور بے وفائی نہ کرے، پیٹھ نہ دکھائے ایسے وقت میں ان کو غالب نہ کرنا خدا کی ہستی کے اوپر ایک حرف لانے والی بات ہے۔ اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ اگر وہ خدا کوئی ہے تو ضرور ان کو غالب کر کے دکھائے۔

پس ان قوموں کے صبر کے نتیجے میں اور وفا کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کے فضل کا ایک ایسا استحقاق ان کو حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو بھی نظر آنے لگتا ہے۔ پھر قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے۔ آزمائش کے بغیر اگر کسی سے تعلق بھی ہو تو اس تعلق میں وہ پختگی پیدا نہیں ہوتی جو آزمائش میں پورا اُترنے کے بعد اس تعلق میں پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کے کتنے ہی دوست ایسے ہوں گے جن سے آپ کو وفا کی امید ہے، جن پر آپ کو توکل ہے کہ آپ کی مشکل میں کام آئیں گے لیکن جب مشکل پڑتی ہے تو بہت سے ان میں سے ایسے ہیں جو پیٹھ دکھا دیتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جن پر آپ کو بڑا ناز ہوتا ہے لیکن ادنیٰ ضرورت میں بھی وہ کام نہیں آتے لیکن بعض دفعہ کچھ ایسے دوست بھی نکلتے ہیں جو بظاہر معمولی اور بظاہر آپ کی نظر میں کوئی احترام نہ رکھنے والے ہوتے ہیں لیکن وقت کے اوپر وہ ایسی خدمت کرتے ہیں اور ایسی قربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ کے لئے ایک سچا انسان ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کو ان کی عظمت کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ پھر جو ایسے دوست کی قدر کی جاتی ہے اس کا پہلی حالت سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہوتا کوئی نسبت ہی نہیں ہوا کرتی۔

تو مقبولیت کے بلند مینار تک پہنچانے کا مفہوم یہی ہے کہ اگر چہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن جاننے کے باوجود وہ ان کو آزمائش میں سے گزارتا ہے تا کہ وہ بھی جانیں کہ واقعۃً وہ خدا کے پیارے بننے کے مستحق ہیں۔ خدا کے علم میں تو ہر چیز ہے، اس علم کے مطابق اگر خدا تعالیٰ فیصلے دے اور عمل کی دنیا میں سے گزارے ہی نہیں تو وہ علم ہی نہیں رہے گا باقی۔ یہ بھی ایک سوچنے کی بات ہے لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو علم ہی ہے تو بغیر آزمائش کے کیوں نہیں فیصلہ فرما دیتا۔ اگر بغیر آزمائش کے فیصلہ فرما دے تو علم ہی نہیں ہوگا خدا کو پھر۔ خدا کو تو حق کا، سچی بات کا علم ہے نہ کہ جھوٹی بات کا علم ہے۔ جب تک وہ واقعہ رونما ہونے والا نہ ہو خدا کو اس کا علم نہیں ہوتا اور جو خدا کا علم ہے وہ حق پر مبنی ہوتا ہے۔

پس جس کنارے سے بھی آپ دیکھیں اس چیز سے مفر نہیں ہے کہ ابتلا میں سے

گزارے بغیر خدا تعالیٰ کا علم نہ بنے۔ چنانچہ قرآن کریم بسا اوقات یہ محاورہ استعمال فرماتا ہے کہ ہم نے یہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے۔ **نادان آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ بالکل کھوکھلی سی بات ہے خدا تعالیٰ کو پہلے ہی علم ہے یہ کیوں کہتا ہے کہ وہ ایسا کر دیا تا کہ خدا تعالیٰ جان لے۔ حالانکہ اگر اس کا برعکس سوچیں تو فوراً ان کو مفہوم سمجھ میں آجائے گا۔ اگر وہ نہ ہو تو خدا تعالیٰ نہیں جانے گا پھر کیونکہ جو ہے وہی جانتا ہے جو نہیں ہے وہ نہیں جانتا کیونکہ فرضی باتوں پر تو خدا تعالیٰ کا کوئی علم نہیں ہے جو ایسی باتیں جو ہیں ہی نہیں، جو عدم ہیں ان کے متعلق تو خدا کا صرف یہی علم ہے کہ وہ عدم ہیں۔ اس لئے جو بات ہو نہیں سکتی یا ہو نہیں جاتی اس کا علم خدا کو نہیں ہوتا اور جو ہونی ہوتی ہے لازماً اس کا علم ہوتا ہے۔** اس لئے اگر علم ہوتا ہے تو اسے ہو کے رہنا پڑے گا ورنہ وہ علم جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔

تو جس کنارے سے بھی آپ نظر ڈالیں۔ خدا کے علم کا تقاضا ہے کہ ایک بات ضرور ہو اور جو بات ضرور ہوگی اسی کا علم ہوگا ضرور۔ پس خدا تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ وہ اپنے دوست کہلانے والوں کو ایسے ابتلا میں سے گزارتا ہے کہ ان کی ذات کے متعلق جو خدا کا علم ہے وہ سچا ہو کر دنیا کے سامنے ظاہر ہو جائے۔ وہ علم عمل میں ڈھل جاتا ہے اور پھر وہ لوگ جو ادنیٰ اور حقیر اور ذلیل ہونے کے باوجود وفا کرتے ہیں وہ یقیناً اس لائق ہیں کہ ان کی غیر معمولی قدر کی جائے۔ دیکھیں! آپ کی ضرورت کے وقت اگر کوئی امیر آدمی آپ کے کام آئے تب بھی آپ اس کے زیر احسان آجاتے ہیں لیکن ایک امیر آدمی کے اگر غریب آدمی کام آجائے کچھ نہ ہونے کے باوجود تو جو جذبہ اس امیر کے دل میں پیدا ہوتا ہے اس کو اس پہلی حالت کے جذبے سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ ایک طاقتور آدمی جب ضرورت کے وقت کسی کمزور کا محتاج کا ہو جائے اور وہ قربانی کر کے اس کی مدد کرے تو یہ جو وفا کا یا ایثار کا مظاہرہ ہے یہ اپنی ذات میں ایک بہت بڑی عظمت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے بندے کمزور اور بالکل بے حقیقت ہیں اس کے مقابل پر۔ خدا چاہے تو اپنے پیغام کو خود ہی دنیا پر غالب کر سکتا ہے لیکن چند کمزور بے حیثیت ناکارہ بندے جن کو ساری دنیا دھتکار رہی ہوتی ہے اور ذلیل کر کے مردود کر دیا کرتی ہے اس وقت اس حالت میں بھی وہ خدا سے وفا کرتے ہیں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی کتنی رحمتیں جذب کرنے والے ہوں گے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی نقشے کو بیان کرتے ہوئے

فرمایا:۔ ''قبولیت کے بلند مینار تک پہنچا دے''۔ وہ پہلے بھی مقبول ہوتے ہیں لیکن ایسے مقبول جو نظر سے غائب ہیں۔ اگر دنیا کی نظر میں وہ مقبول ٹھہرتے تو ان کی مخالفت کبھی نہ کرتے لیکن بلند مینار پر فائز چیز تو دور دور سے دنیا کو دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس محاورے میں ان کی شان کا بھی اظہار ہے اور ان کی شان کا دنیا پر ظاہر ہونے کا بھی اظہار ہے پھر وہ چھپے ہوئے مقبول نہیں رہتے بلکہ دور دور تک ان کی قبولیت کی شہرت پھیلتی ہے، ایسے واقعات ان کے حق میں رونما ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں قومیں دور دور سے ان کی مقبولیت اور ان کی فتح کے گیت گانے لگتی ہیں اور ان کی حیرت انگیز فتح کی مثالیں دی جانے لگتی ہیں۔ تو ایک چھوٹے سے فقرے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک بڑے گہرے اور وسیع فلسفے کو بیان فرمایا اور ایک انتہائی معجزانہ کلام کے ذریعے جو فتح فصاحت و بلاغت کا مینار ہے اس مضمون کے ہر پہلو پر روشنی ڈال دی۔

پھر فرماتے ہیں: ''اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھا دے''۔ ابتلا کے دور کا معارف سیکھنے کے ساتھ جو تعلق ہے یہ ایسی بات نہیں ہے جو کسی عام شخص کو معلوم ہو سکے۔ کوئی دنیاوی عقل اور دنیاوی علم رکھنے والا ایسی بات کر ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ خاص مقامات ہیں جہاں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صداقت ایک پہاڑی چشمے کی طرح خود بخود پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ صرف صاحب عرفان کا کام ہے کہ اس قسم کی بات کرے کہ ابتلا کے دور سے گزر کر عرفان کے باریک اور دقیق نکات انسان کو معلوم ہوتے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جماعت جو ابتلا کے دور میں سے گزر رہی ہے اس پر عرفان کی بارش نازل ہو رہی ہے۔ وہ لوگ جو مصیبتوں میں سے گزرتے ہیں ان حالتوں میں مجھے خط لکھتے ہیں یا اس کے بعد لکھتے ہیں یا مصیبتیں جب ان کے اوپر حملہ آور ہونے کے لئے تیار کھڑی ہوتی ہیں اس حالت میں خط لکھتے ہیں۔ ان خطوں کے اندر جو معارف اور نکات بیان ہوتے ہیں وہی لوگ جو اس سے پہلے خط لکھتے رہے ان خطوں اور ان خطوں کے درمیان کوئی آپس میں نسبت نہیں ہوتی۔ معمولی ان پڑھ لوگ ایسے ایسے معرفت کے نکتے سمجھ جاتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے لیکن ظاہری طور پر اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے۔ خوف کے وقت تو اور کسی چیز کی ہوش ہی نہیں ہوا کرتی اپنے جسم کی، اپنی جان کی، اپنے عزیزوں کی، اپنے مال کی ان چیزوں کی فکر ہوا کرتی ہے۔ اس وقت معرفت کے نکتے سیکھنے کا کونسا

وقت ہوتا ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقۃً عارف باللہ تھے۔ آپ کو خدا یہ عرفان عطا فرما رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس لئے ہوتا ہے ابتلا تا کہ معرفت کے باریک اور دقیق نکتے ان کو سمجھائے جائیں اور اس وقت جماعت جس دور میں سے گزر رہی ہے میں جانتا ہوں کہ بعینہٖ یہی واقعہ جماعت کے ساتھ گزر رہا ہے۔

''یہی سنّت اللہ ہے جو قدیم سے خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے''۔

پھر فرمایا:۔

''زبور میں حضرت داؤدؑ کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اس سنّت کو ظاہر کرتے ہیں اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیحؑ کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں''۔

یہ جو الفاظ ہیں ان دونوں میں ایک مضمون آپ نے باندھا ہے عاجزانہ اور غریبانہ کے الفاظ کے ساتھ۔ فرمایا دیکھو! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی حالت میں جو زبور میں ان کے گیت ہمیں ملتے ہیں ان میں عاجزانہ نعرے پائے جاتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اس تکلیف اور ابتلا کے دور میں ان کی تضرعات میں ایک غریبانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ اگر چہ خدا کے انبیاء اور وہ سب جن کو خدا تعالیٰ عرفان عطا فرماتا ہے عاجز ہی ہوتے ہیں اور غریب ہی ہوتے ہیں مگر ابتلا کے وقت میں اپنے عجز اور غربت پر ان سے بڑھ کر اور کون واقف ہو سکتا ہے؟ اس سے پہلے ان کی عاجزی اور ان کی غربت ابتلا کے بغیر ایک نظریاتی دائرے سے تعلق رکھنے والا عجز ہے، ایک نظریاتی دائرے سے تعلق رکھنے والی غربت ہے لیکن جب ابتلا کے دور سے وہ لوگ گزرتے ہیں تو جانتے ہیں کہ ہم واقعۃً غریب ہیں۔ خوب پہچان لیتے ہیں کہ ہم واقعۃً عاجز ہیں خدا کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے جو ہمیں بچا سکے۔ اس وقت ان کی جو کیفیت ہوتی ہے اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ عاجزانہ نعرے ان کا نشان بن جایا کرتے ہیں۔ یہاں لفظ عاجزانہ نعرے بھی بہت ہی ایک عظیم الشان فصاحت و بلاغت کا کرشمہ ہے۔ نعرے کے ساتھ تو فتح کا مضمون باندھا جاتا ہے۔ عجز کے ساتھ نعرہ کیسا؟ لیکن وہ لوگ جو جانتے ہیں بعض دفعہ ملنگ، ایسے ملنگ نہیں جو جھوٹے بنے ہوں بلکہ حقیقت

میں خدا کی خاطر کھوئے گئے ہوں، وہ ملنگی اور غربت میں نعرے لگایا کرتے ہیں۔ نعرہ نشان ہے فتح کا اور نعرہ نشان ہے کامل توکل کا اور کامل یقین کا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو عملاً یہ خراج تحسین پیش فرما دیا ایک چھوٹے سے لفظ سے ایزاد کے ساتھ کہ وہ ابتدائی حالت میں جو انتہائی کمزوری کی حالت تھی اس وقت بھی عاجزانہ نعرے لگایا کرتے تھے۔ عجز کے اندر ایک تکبیر کا معنی بھی تھا کہ ہم عاجز ہیں کچھ بھی نہیں ہے خدا کے سوا ہمارے لئے لیکن اسی میں ہماری عظمت ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

پھر فرمایا: ''مسیحؑ کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں''۔ مسیحؑ کے لئے تضرعات کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس لئے کہ جہاں تک میں سمجھا ہوں فرق اس لئے کر کے دکھایا گیا ہے کہ حضرت داؤدؑ کو اپنی زندگی میں کامل غلبہ نصیب ہوا تھا اور ان کی فتح کا زمانہ بہت دور نہیں تھا اس لئے ان کو زیبا تھا کہ عجز کے ساتھ نعرے بھی لگائیں لیکن حضرت مسیحؑ کے ساتھ ایک لمبی غربت کا دور وابستہ کیا گیا تھا۔ نسلاً بعد نسل آپ کو ابتلا میں سے گزرنا تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے لئے غریبانہ تضرعات کا محاورہ استعمال فرمایا حضرت داؤدؑ کے عاجزانہ نعروں کے مقابل پر۔ پھر آپ فرماتے ہیں:۔

> '' اور قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں جناب فخر الرسلؐ کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں''۔

یہ الفاظ بھی بہت ہی معنی خیز ہیں جو آنحضرت ﷺ کے لئے آپ نے استعمال فرمائے۔ عبودیت کہہ کر آپ کے کامل تسلیم و رضا کا مضمون باندھ دیا۔ فرمایا کہ وہاں آپ کی عاجزی اور گریہ وزاری میں طلب کا مضمون اتنا نہیں تھا مدد مانگنے کا مضمون اتنا نہیں تھا جتنا غلامی کا مضمون تھا کہ ہم تیرے ہیں اور تیرے ہی ہو چکے ہیں اس لئے جس حال میں بھی تو ہمیں رکھے گا ہم فتح مند ہی فتح مند ہیں کیونکہ فتح عبودیت سے تعلق رکھتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام یونہی اتفاقی حادثات کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتا کہ ذہن میں کوئی خیال آ گیا کوئی لفظ آ گیا تو آپ نے وہاں باندھ دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام پر غور کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تبھی آپ فرماتے ہیں کہ جو تین دفعہ میرے کلام کو

نہیں پڑھتا وہ متکبر ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص جو تین دفعہ نہ پڑھے وہ متکبر ہے مراد یہ ہے کہ جس شخص کے ذہن میں یہ بات ہو کہ سرسری مطالعہ سے ہی وہ میرے مطالب کو پا جائے گا وہ بیوقوف اور متکبر ہے (سیرۃ المہدی حصہ سوم روایت نمبر: ۴۱۰)۔ میری عبارتیں سطحی مطالعہ سے حاصل نہیں ہوسکتیں، بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ پس تین کا لفظ بھی ایک تمثیل کے طور پر ایک مثال کے طور پر بیان ہوا ہے۔ ضروری نہیں کہ بعینہٖ تین دفعہ پڑھ لیں تو آپ تکبر کی بجائے عاجز بن جائیں گے مراد یہ ہے بار بار پڑھو اور غور کرو کیونکہ تم ایک دفعہ گزرو گے تو تمہیں کچھ اور چیز نظر آئے گی دوسری دفعہ گزرو گے تو اور گہرا تمہیں غور کا موقع ملے گا۔ تو کم سے کم تین مرتبہ تو تم غور کرو۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے ابتلا کو عبودیت کے ساتھ جو باندھا ہے آنحضرت ﷺ کی سیرت پر غور کرنے سے بعینہٖ وہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ جنگ بدر کا وقت ایسا تھا جو رسول اکرم ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کے لئے زندگی اور موت کا وقت تھا۔ ان معنوں میں جو دنیا کے محاورے میں کہا جاتا ہے ورنہ آپ کے لئے تو ایک ہمیشہ کے لئے ایک ابدی زندگی کا وقت ہی تھا، موت تو آپ کے سامنے پیش ہی نہیں ہوسکتی لیکن اس کے باوجود محاورۃً قرآن کریم نے بھی یہ مضمون باندھا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

(الانعام: ۱۶۳)

تو ایک رنگ میں موت کا لفظ بھی صادق آتا ہے مگر اور معنی رکھتا ہے۔ بہر حال زندگی اور موت کا سوال ان معنوں میں تھا کہ اگر صحابہؓ اس وقت جنگ ہار جاتے تو ہمیشہ کے لئے اسلام مٹ جاتا اس کے سوا کچھ تھا ہی نہیں جو کچھ تھا وہ لے کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے فتح کی دعا نہیں مانگی تھی، آپؐ نے یہ دعا مانگی اے خدا! اگر آج تو نے ان لوگوں کو، اس چھوٹی سی جماعت کو مٹنے دیا تو تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہیں رہے گا (ترمذی کتاب تفسیر القرآن حدیث نمبر ۳۰۰۶)۔ یہ عبودیت کے ساتھ گہرا عشق کا اظہار تھا وہ۔ حالانکہ ایسے خطرناک وقت میں پہلا کلمہ زبان پر نصرت الٰہی کی طلب کا آنا چاہئے لیکن بار بار گریہ وزاری کے ساتھ یہی فرماتے کہ اے خدا! میں تو تیری

عبادت کے قیام کی خاطر آیا ہوں، میرے آنے کا مقصد فوت ہو جائے گا اگر آج اس میدان ہمیں شکست ملی تو پھر قیامت تک تیری عبادت کوئی نہیں کرے گا۔ بہت ہی عظیم الشان دعا تھی اور فتح کے لئے اس سے بہتر دعا مانگی ہی نہیں جاسکتی مگر اس کو عبودیت کا ابتہال فرمانا یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل عرفان پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا عشق تھا آنحضرت ﷺ سے اور ایسا عرفان تھا آپ کی ذات کا کہ ان کے لئے بعینہٖ الفاظ موزوں تھے، یہی زیب دیتے تھے اور یہی آپ نے اختیار فرمائے۔

''اگر یہ ابتلا درمیان میں نہ ہوتا تو انبیاء اور اولیاء ان مدارج عالیہ کو ہرگز نہ پا سکتے کہ جو ابتلا کی برکت سے انہوں نے پالئے۔ ابتلا نے ان کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت پر مُہر لگا دی اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ ان پر آندھیاں چلیں اور سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے ان پر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور بے عزتوں میں شمار کئے گئے اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے یہاں تک کہ ربّانی مددوں نے بھی جن کا ان کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مدت تک منہ چھپالیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا انہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا گویا وہ سخت مورد غضب ہیں اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ ان پر ذرا مہربان نہیں''۔

یہ واقعات بھی روزمرہ کی زندگی میں گزرتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ ایسا ہوا کرتا ہے بعض دفعہ پیار میں، آزمائش میں، مائیں بعض دفعہ منہ بسور کے بچے پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتی ہیں اور وہ لاڈ ہو رہا ہوتا ہے کوئی ناراضگی نہیں ہوتی۔ وہ دیکھتی ہیں کہ اس وقت یہ کیا حرکت کرتا ہے؟ کیا ناراضگی کے جواب میں غصّہ دکھاتا ہے یا بدتمیزی شروع کر دیتا ہے یا اور زیادہ پیار کا اظہار کرتا ہے۔ تو وہ ایک چند لمحے کی آزمائش ہوا کرتی ہے لیکن عظیم تر مقاصد میں بلند رشتوں میں اور تعلقات میں بعض دفعہ یہ آزمائش لمبے عرصے تک پھیل جاتی ہے۔

پس خدا تعالیٰ کے متعلق جو یہ فرمایا ہے کہ ناراض سا بن کر دکھایا ان کو یہ کوئی غیر حقیقی چیز نہیں ہے عملاً تعلقات کے دائروں میں ایسا ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد جو محبت کا پھل ایک محبت کرنے والے کو نصیب ہوتا ہے وہ پہلی حالت سے بہت زیادہ بہتر حالت میں اس کو لے جاتا ہے۔

''اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ ان پر ذرا مہربان نہیں بلکہ ان کے دشمنوں پر مہربان ہے''۔

یہ عبارت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس وقت لکھی ہے اس کو تقریباً نوے سال گزر چکے ہیں اور اس وقت کوئی ایسی کیفیت نظر نہیں آتی تھی۔ جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے حالات کا آپ مطالعہ کر سکتے ہیں آپ کو یہی ملے گا کہ آپ کی دعائیں مقبول ہو رہی تھیں جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی ہے خصوصیت کے ساتھ، سبز اشتہار کا دور ہے اور دشمن ذلیل وخوار ہو رہا تھا اور بڑے بڑے دشمن جو مقابلے کے لئے نکلے خدا تعالیٰ نے ان کو خائب وخاسر کر کے دکھایا۔ یہ آئندہ کسی دور کی طرف اشارہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور آئندہ کسی دور کے لئے جماعت کو تیار فرما رہے تھے۔ چنانچہ فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے کہ عام کم فہم لوگ یا ایمان میں ناقص لوگ یہ باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ خدا تو دشمن پر مہربان دکھائی دینے لگا ہے۔

''بلکہ ان کے دشمنوں پر مہربان ہے اور ان کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا ہے۔ ایک کے ختم ہونے پہ دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلا نازل ہوا''۔

یہ واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں تو ہمیں نظر نہیں آرہے۔ یہ آج کا زمانہ ہے جس کا نقشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت کھینچا اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ خبروں کے نتیجے میں آپ یہ کلام کر رہے ہیں۔

''غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدت وسختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں ان پر ہوئیں اور وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادے سے باز نہ آئے اور سُست اور شکستہ دل نہ ہوئے بلکہ جتنا مصائب اور شدائد کا باران پر پڑتا گیا اتنا ہی انہوں نے آگے قدم بڑھایا اور

جس قدر وہ توڑے گئے اسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے اور جس قدر انہیں مشکلات راہ کا خوف دلایا گیا اسی قدر ان کی ہمت بلند اور شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ ان تمام امتحانات سے اوّل درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو گئے اور عزت اور حرمت کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا''۔

(سبز اشتہار، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ: ۴۵۷۔۴۶۰)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو (یعنی یہ تو وہ مضمون ہے جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے اور آپ کو خدا تعالیٰ نے جو خبریں دیں ان کے مطابق آئندہ جماعت کو بھی پیش آنا تھا۔ اس کے لئے تیاری کی نصیحت کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں) اے میرے دوستو! جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلا کا وقت تم پر ہے اسی سنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے''۔

پھر فرمایا ہے:۔

''ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے''۔

یہاں حال کا مضمون معاً مستقبل کے مضمون میں تبدیل فرما دیا گیا۔ وہ جو ابتلاء کا دور جاری تھا اس میں کچھ مزید اضافے ہونے والے تھے، نئی شکلوں میں ابتلا نے ظاہر ہونا تھا۔ اس لئے جیسا کہ میں بیان کر رہا ہوں پہلے مضمون کا بھی مستقبل کی بعض خبروں سے تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ابتلا کا وقت تم پر ہے اسی سنّت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے لیکن آئندہ کیا ہوگا فرماتے ہیں:۔

''ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے

ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سُننی پڑیں گی اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا وہ یہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے۔ (کتنی صفائی کے ساتھ یہ پیشگوئی اس زمانے میں پوری ہو رہی ہے حیرت ہوتی ہے آگے آپ سُنیں) اور کچھ آسمانی ابتلا بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سُن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو، یا گالی کے مقابل پر گالی دو کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ تو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو، ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔ یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا کی لعنت کے ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں۔ اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی ہمیں پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکر وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے''۔

پہلا مضمون جو صبر اور توکل سے تعلق رکھتا تھا اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقویٰ کے مضمون میں داخل فرمایا ہے اور اپنی طرف سے نہیں۔ فرماتے ہیں جب میں نے ان باتوں پر غور کیا کہ ان حالات میں ہم کیا کریں اور کس طرح تیری رضا کو حاصل کریں۔ فرمایا بار بار مجھے یہی خدا تعالیٰ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ تقویٰ سے۔

''سوائے میرے پیارے بھائیو! کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اُٹھاؤ اور پرہیز گاری کی باریک راہوں کی رعایت کرو۔ سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر یک

خیر اور شر کا بیج پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہے تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہوگی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل ہی میں پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ تو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردّی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دیوے اور پھر تم کاٹے جاؤ''۔ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ: ۵۴۶۔۵۴۸)

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آئندہ آنے والے ابتلا کا بھی انتہائی صفائی کے ساتھ نقشہ کھینچا اور ان سے بچنے کا طریق بھی واضح فرما دیا اور اس مضمون کو اتنا آسان فرما دیا یا لاآخر کہ ہر انسان کی پہنچ میں آجاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ تقویٰ کی بہت لمبی چوڑی تفصیل بیان فرما کے ایک کمزور انسان کو معیوب اور مرعوب کر دیتے اور وہ یہ خیال کرتا کہ میری طاقت میں نہیں ہے تقویٰ کا اختیار کرنا آپ نے اس کا مرکزی نقطہ کھول کے رکھ دیا ہے۔ فرمایا اس کا دل کے ساتھ تعلق ہے اور دل میں پہلے خیالات پیدا ہوتے ہیں جو بد ہوں یا نیک ہوں وہ رفتہ رفتہ اعمال پر غالب آنے لگ جاتے ہیں اور اعمال پر وہی رنگ چڑھا دیتے ہیں اور ہر شخص کی استطاعت میں ہے کہ ان خیالات کی نگرانی کرتا رہے اگر باشعور طور پر ہر روز اپنی دل میں پیدا ہونے والے محرکات اور خیالات اور وساوس اور توہمات یا نظریات کی جانچ پڑتال کرتا رہے اور جس طرح آپ نے فرمایا پان بیچنے والا پانوں کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے اور خراب حصے کو دیکھ کر کاٹ کر ایک طرف کر دیتا ہے۔ یہ مثال جن لوگوں نے ہندوستان اور پاکستان کے معاشرے میں پان بیچنے والے دیکھیں ہیں ان کو پوری طرح سمجھ آسکتی ہے۔ کئی دفعہ مجھے یاد ہے بچپن میں ہم پان کی دکان کے سامنے کھڑے ہوتے تھے تو وہ پان بناتا بھی جاتا تھا اور جب وقت ملتا تھا بیچ میں ایک پان کو اٹھایا الٹایا دیکھا کسی گلے ہوئے ٹکڑے کو کاٹا اور پھر الٹا کر رکھ دیا۔ ان کو الٹتا پلٹتا رہتا تھا اور ٹکڑوں کو کچھ حصوں کو کاٹتا رہتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی عبارت پڑھ کہ پھر سمجھ آئی کہ وہ کیا حرکتیں کیا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ایک گلا ہو حصہ اس کے ساتھ باقی رہنے دیا گیا تو رفتہ رفتہ باقی حصے کو بھی وہ گلا دے گا۔ اس لئے پیشتر اس کے کہ اس کو یہ موقع ملے کے وہ چھا جائے باقی حصے پر وہ اس کو کاٹ کر الگ کر دیتا تھا۔

ابتدا میں ایسا ہونا ممکن ہے۔ جب بدی عمل میں ڈھل جاتی ہے، جب خیال ایک برائی کی صورت پکڑ جاتا ہے اس وقت اس کا مقابلہ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقویٰ کے حصول کا ایک عظیم الشان راز یہ سمجھا دیا ہے۔ دل میں جب خیال اُٹھتے ہیں اس وقت اس کو پکڑو، اس وقت ان کو نظر کے سامنے پھیرنا شروع کرو۔ جو اچھے خیالات ہیں ان کو اور نشو ونما دو، ان کو اور پیار کے ساتھ بڑھاؤ اور جو خیالات گندے نظر آتے ہیں ان کو ایک طرف کرتے چلے جاؤ۔ مگر جو لطف کی بات ہے وہ اس عبارت میں یہ ہے کہ آپ نے کسی خیال کو پورا گندہ اور کسی خیال کو پورا پاک نہیں قرار دیا۔ عام انسانی تجربہ میں یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے گندے خیالات میں بھی کچھ نہ کچھ نیکی کے پہلو بھی ہوا کرتے ہیں اور ہمارے اچھے خیالات میں بھی کہیں نہ کہیں ریاء کا کیڑا یا کوئی اور ذاتی خواہشات کا رنگ داخل ہو کر اس نیکی کے خیال کو ذرا کچھ گندہ کر دیتا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں اپنے خیالات کو یا بالکل ردّ یا بالکل مقبول نہ کرو بلکہ پرکھا کرو، فکر و نظر کی آنکھ سے دیکھو اور الٹاؤ پلٹاؤ اور دیکھو کون سا حصہ گندہ ہے؟ کون سا حصہ رکھنے کے لائق ہے؟ جو رکھنے کے لائق ہے اسے سنبھال لو اور جو گندہ ہے اسے کاٹ کے پھینک دو۔

تو تقویٰ کے حصول کی اس سے زیادہ آسان راہ جو ہر انسان کی دسترس میں ہے اور سوچی بھی نہیں جا سکتی اور بہت ہی با اثر ہے۔ حیرت انگیز اس کے نتیجے میں انسان کی زندگی پر اثرات مترتب ہو سکتے ہیں اس کی ساری زندگی کی کایا پلٹ سکتے ہیں، سارے اعمال کی شکل تبدیل کر سکتے ہیں۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت اس ابتلا کے دور سے اس قسم کے فائدے اٹھائے گی۔ یہ فائدے ہماری جھولیوں میں باقی رہنے والے فائدے ہیں، یہ فائدے ہیں جو اس دنیا میں بھی ہمیشہ ہمارا ساتھ دیں گے بلکہ ہماری نسلوں پر بھی نیک اثر ڈالیں گے۔ نسلاً بعد نسلٍ یہ چیزیں جو آج ہم سیکھیں گے اس ابتلا کے دور سے یہ ہماری اولاد کو ورثے میں ملتی چلی جائیں گی اور پھر ہماری بھی اور ان کی بھی دوسری زندگی میں بھی کام آنے والی چیزیں ہیں۔ وقتی طور پر ابتلا آتے ہیں اور گزر بھی

جاتے ہیں اور وہ لوگ جو سمجھتے ہیں کہ ابتلا کے گزرنے کے بعد جو فتح کا احساس ہے وہی ہماری جزا ہے وہ کم فہم لوگ ہیں ان کو معلوم نہیں ہے کہ وہ جزا نہیں ہوا کرتی۔ جزا ایک لمبی اور باقی رہنے والی جزا ہوا کرتی ہے یعنی الٰہی معاملات میں وہ جزا ایک آنے جانے والی چیز ہے جس کی کوئی لمبی حقیقت نہیں ہے۔ وہ فتح ضرور نصیب ہوگی لیکن یہ ماحصل ہے ہماری قربانیوں کا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اس دور میں سے گزرتے ہوئے ہم تقویٰ کی حالتیں اپنی مضبوط کر لیں، اپنی کمزوریوں کو دور کر دیں اور رضائے باری تعالیٰ کے حصول میں فکر مند اور غلطاں رہیں اور کوشش کرتے رہیں کہ ہم مقبولیت کے مینار پر فائز کئے جائیں یعنی خدا کی مقبولیت پیش نظر ہو دنیا کی آنکھ پیش نظر نہ ہو۔ یہ اگر ہمیں حاصل ہو جائے تو ایک ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والی فتح ہے جسے کوئی دنیا کی قوم مٹا نہیں سکتی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

آج نماز جمعہ کے بعد چار مرحومین کی نماز جنازہ غائب ہوگی۔

پہلے مکرم جمال الدین صاحب قادیانی جو وقف جدید کے معلم تھے اور غریب مزاج اور بڑے مخلص فدائی سلسلے کے کارکن تھے۔ بہت لمبی بیماری کے باوجود کام نہیں چھوڑا اور خدمت سے روگردانی نہیں کی۔ آج سے قریباً دس بارہ سال پہلے شاید اس سے بھی کچھ زیادہ عرصے ہو گیا ہوان کو جگر کا کینسر ہو گیا تھا اور لاعلاج کر کے میو ہاسپٹل سے نکال دئے گئے پھر ہمارے ربوہ کے ہسپتال میں بھی داخل ہوئے اور وہاں سے بھی بالآخر ان کو لاعلاج کر کے فارغ کر دیا گیا اور ان کا بچہ روتا ہوا آیا میرے پاس کہ اب تو انہوں نے کہا ہے کہ دو تین دن کے اندر ان کی موت یقینی ہو گئی ہے اب کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بچے کی کچھ حالت ایسی تھی کہ میرے دل سے خدا تعالیٰ کے لئے خاص گریہ وزاری کے ساتھ دعا بلند ہوئی اور اس کے لئے میں نے ہومیو پیتھک علاج بھی شروع کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ تین دن میں مرنے کی بجائے تقریباً تیسرے دن ہی بچہ میرے پاس آیا کہ آپ کے پاس کوئی مالٹے کے جوس کی بوتل ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ ان نے کہا کہ پہلی دفعہ اس چھ سات مہینے کے بعد اس بیماری میں میرے ابا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی ہے کہ میں کچھ پیئوں ورنہ نہ غذا کی خواہش تھی نہ پانی کی کوئی تمنا تھی۔ تو جوس کی بوتلیں ہمارے وقف جدید میں چونکہ بنا

کرتی تھیں اس لئے اس کو خیال آیا وہ میں نے اس کو کہا کہ لو جتنی چاہو۔ چنانچہ وہ جوس لے کے گیا اور دوسرے دن آیا کہ وہ تو بڑے شوق سے پینے بھی لگ گئے ہیں اور کھانا بھی مانگنے لگ گئے ہیں۔ میں نے کہا اب خدا کے فضل سے بچ گئے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے چند مہینے کے اندر ہی پوری بظاہر صحت کے ساتھ رپورٹ کر دی کام پہ اور باقاعدہ کام کرتے رہے لیکن معلوم ہوتا ہے کینسر کے کچھ اثرات ضرور تھے طبیعت پہ کیونکہ جب ملتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کسی تکلیف کی وجہ سے کوئی انسان دباتا ہے یا ایک پوری ہوش کی حالت نہیں ہوتی مگر یہ اللہ کا فضل ہوا کہ شدید بیماری کے رنگ میں جو مہلک ثابت ہو اس کینسر نے دوبارہ پھر اپنی کوئی صورت نہیں دکھائی۔ ورنہ بالعموم ایسے کینسر جو اس انتہا کو پہنچ چکے ہوں وہ تیسرے یا چوتھے سال دوبارہ حملہ کرتے ہیں اور آخری حملہ ہوا کرتا ہے۔ مگر بڑا خدا نے اپنا فضل دکھایا تو ان کے وصال کی ابھی اطلاع ملی ہے۔ ان کی نماز جنازہ غائب ہوگی۔

ایک سیّد نذیر احمد شاہ صاحب ہیں جو ہمارے سلسلہ کے پرانے کارکن تھے۔ پہلے صدر انجمن میں انسپکٹر ہوا کرتے تھے پھر ریٹائرمنٹ کے بعد تحریک جدید میں انسپکٹر ہوئے۔ ان کا ہارٹ فیل ہوا ہے چند دن ہوئے۔ ان کے افسر کی بھی درخواست تھی کہ ان کی نماز جنازہ پڑھائی جائے۔

محمد اشرف صاحب ججہ، ان کے والد رحمت علی صاحب ججہ لکھتے ہیں کہ تیس سال کی عمر کا جوان بیٹا ایک بس کے حادثے میں شہید ہو گیا ہے اس کے لئے مغفرت کی دعا اور نماز جنازہ غائب۔

ایک سیّد بشیر احمد شاہ صاحب ابن سیّدا میر شاہ صاحب درخواست منجانب ذکیہ مرزا صاحبہ آف لنڈن ہے۔ ذکیہ مرزا صاحبہ ہمارے لنڈن کی جماعت کی خاتون ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ میرے ماموں تھے میں تو ذاتی طور پر نہیں جانتا مگر بہر حال ان کو بھی اس فہرست میں شامل کیا جائے۔